منتخب تفاسیر کی روشنی میں مال غنیمت کے احکام(بین الاقوامی معاہدات کے تناظر میں تجزیاتی مطالعہ)

The Rulings on Spoils of War in the Light of Selected Quranic Commentaries: An Analytical Study in the Context of International Treaties.

Muhammad Ismail
Ph.D Scholar, Department Of Shariah, AIOU
Visiting Lecturer,GCUF
muhammadismail6606@gmail.com

Abstract

Islamic Shariah encompasses a comprehensive system that not only elaborates on spiritual beliefs and moral conduct but also provides detailed regulations concerning military affairs. One of the key areas within Islamic military jurisprudence is the concept of Ghanimah (spoils of war), which refers to the wealth and assets acquired through lawful warfare. These rulings are grounded in both the Qur’an and Sunnah, and have been extensively discussed by classical Islamic jurists (fuqaha), who have outlined the principles governing the collection, distribution, and rightful ownership of such spoils. In addition to the jurists, several renowned exegetes (mufassirun), most notably Imam Al-Jassas in his Ahkam al-Qur’an and Imam Al-Qurtubi in his Al-Jami' li Ahkam al-Qur’an, have addressed the issue of Ghanimah within their Qur’anic commentaries.

Their interpretations provide a legalistic and contextual understanding of the relevant verses, highlighting the balance between justice, ethics, and the practical needs of warfare in an Islamic framework. This article aims to conduct a thorough examination of the Islamic legal rulings related to Ghanimah by exploring the opinions of classical jurists alongside selected exegeses. Qualitative Method has been employed in this research. After the study, it is concluded that the rulings on spoils of war need to be adapted to the contemporary context. It is recommended that students of Islamic jurisprudence further advance their research in this regard.

Keywords: The spoils of war, Shariah Rulings, Ghanimah, Jasaas, Qurtabi.

شریعتِ اسلامیہ ایک ایسا جامع نظامِ حیات پیش کرتی ہے جو نہ صرف عقائد و اخلاق کی تفصیلات بیان کرتی ہے بلکہ عسکری امور سے متعلق ضوابط اور احکامات کو بھی وضاحت سے پیش کرتی ہے۔ انہی عسکری احکام میں سے ایک اہم موضوع مالِ غنیمت ہے، جس سے مراد وہ اموال اور اثاثے ہیں جو جائز جنگ کے نتیجے میں حاصل ہوتے ہیں۔ ان احکامات کی بنیاد قرآن و سنت پر ہے، اور فقہائے کرام نے ان مسائل پر مفصل بحث کی ہے، جن میں مالِ غنیمت کے حصول، اس کی تقسیم، اور اس کے حقِ ملکیت کے اصول بیان کیے گئے ہیں۔ فقہاء کے ساتھ ساتھ بعض مفسرینِ کرام، خصوصاً امام جصاصؒ (تفسیر: احکام القرآن) اور امام قرطبیؒ (تفسیر: الجامع لاحکام القرآن)، نے بھی ان احکامات پر فقہی انداز میں روشنی ڈالی ہے۔ ان کی تفسیری آراء قرآن کریم کی متعلقہ آیات کی قانونی اور عملی تشریح پر مشتمل ہیں، جو اسلامی شریعت کے جنگی قوانین میں عدل، اخلاق اور عملی تقاضوں میں توازن کو نمایاں کرتی ہیں۔

یہ مقالہ مالِ غنیمت سے متعلق اسلامی احکام کا شرعی جائزہ پیش کرتا ہے جس میں فقہائے کرام اور مفسرین کی آراء کو بنیاد بنایا گیا ہے۔ اور مختلف فیہ آراء کے مابین تجزیاتی جائزہ بھی پیش کیا گیا ہے۔

سوالاتِ تحقیق:

قرآن و سنت کی روشنی میں مالِ غنیمت کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

فقہاء نے مالِ غنیمت کی تقسیم اور مصرف سے متعلق کن اصولوں کی وضاحت کی ہے؟

خمس اور سلب مقتول سے متعلق فقہی اختلافات کی نوعیت کیا ہے؟

خمس کی تقسیم، سلب مقتول اور شہسوار و پیادہ کی تقسیمِ غنیمت کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلافات کی نوعیت کیا ہے؟

تمہید

شریعت محمدیہ ﷺ میں مال غنیمت سے متعلق احکام جنگ بدر کے موقع پر اس وقت نازل ہوئے جب دشمن کو شکست ہو گئی تھی اور صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم تین حصوں میں تقسیم ہو گئے تھے۔ ایک حصہ آنحضرت ﷺ کی حفاظت کے لئے آپ کے ساتھ تھا۔ دوسرا حصہ دشمن کے تعاقب میں اور تیسرا حصہ دشمن کے چھوڑے ہوئے مال غنیمت کو جمع کرنے میں مشغول ہو گیا تھا۔ یہ چونکہ پہلی جنگ تھی، اور مال غنیمت کے بارے میں مفصل ہدایات ابھی نہیں آئی تھیں، اس لئے اس تیسرے حصے نے یہ سمجھا کہ جو مال اُنہوں نے اکٹھا کیا ہے، وہ انہی کا ہے۔ (اور شاید زمانہ جاہلیت میں معمول ایسا ہی رہا ہو گا) لیکن جنگ ختم ہونے کے بعد پہلے دو گروہوں کو یہ خیال ہوا کہ وہ بھی جنگ میں برابر کے شریک تھے، بلکہ مال غنیمت اکٹھا ہونے کے وقت زیادہ اہم خدمات انجام دے رہے تھے، اس لئے اُن کو بھی اس مال میں حصہ دار ہونا چاہئے۔ یہ ایک فطری تقاضا تھا جس کی

بناپران حضرات کے درمیان بحث کی نوبت بھی آئی۔لیکن جب معاملہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا تو سورۃ انفال کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں جن میں بتایا گیا کہ مال غنیمت کے بارے میں فیصلے کا مکمل اختیار اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا ہی ہے۔چنانچہ بعد میں اسی سورت کی آیت:

وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُم مِّن شَيْءٍ فَأَنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ إِن كُنتُمْ آمَنتُم بِاللَّهِ وَمَا أَنزَلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ(1)

میں مال غنیمت کی تقسیم کے بارے مفصل احکام نازل ہوئے۔(2)

تعریف مصطلحات

اموال غنیمت سے متعلق بحث کا آغاز کرنے سے پہلے اصطلاحی الفاظ کی تعریفات کا ذکر مناسب ہے۔

قرآن کریم میں اس معنی کے لئے تین طرح کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔

(۱)غنیمہ (۲)انفال (۳)فیئ۔

ا۔ غنیمہ

لغت میں لفظ غنیمت اس مال کے لئے بولا جاتا ہے جو بلا محنت ومشقت ہاتھ آئے، یا وہ مال جو دشمن سے لڑائی میں ہاتھ لگے۔(3)

اصطلاح شریعت میں غیر مسلموں سے جو مال جنگ و قتال اور قہر و غلبہ کے ذریعہ حاصل ہو اُسے غنیمت کہتے ہیں۔(4)

---

(1) سورۃ الانفال:۱۰/۴۱۔

(2) القرطبی،ابو عبد اللہ، محمد بن احمد،الجامع لاحکام القرآن،(قاہرہ:دار الكتب المصريه، طبع ثانی،۱۳۸۴ھ،۱۹۶۴ء)،۷/۳۶۰۔

(3) نخبة من اللغويين بمجمع اللغة العربية بالقاهرة، المعجم الوسيط،(قاھرۃ:مجمع اللغة العربية، طبع ثانی،۱۳۹۲ھ،۱۹۷۲ء)،۲/۶۶۴۔

(4) الزحیلی، دکتوروہبہ بن مصطفی، الفقه الاسلامي وأدلته،(دمشق:دار الفکر،۱۴۳۳ھ،۲۰۰۱ء)،۸/۵۸۹۶۔

۲۔ انفال

لفظ انفال نفل کی جمع ہے جس کے معنی فضل وانعام کے ہیں اور لغت میں نفل اس چیز کو بھی کہتے ہیں جو اصل حق سے زیادہ ہوتی ہے اور اسی سے لفظ نافلہ ہے جو تطوع کے معنی میں ہے۔(5)

اصطلاح میں انفال کا لفظ اکثر اس انعام کے لئے بولا جاتا ہے جو امیر لشکر کسی خاص مجاہد کو اس کی کارگزاری کے صلہ میں غنیمت کے حصہ کے علاوہ بطور انعام عطا کرے۔ اور کبھی مطلقاً مال غنیمت کو بھی نفل اور انفال کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔(6)

۳۔ فیئَ

یہ لفظ فاء یفی ء سے ماخوذ ہے، لغت میں اس کا معنی رجوع کرنا اور پلٹنا ہے۔(7)

اصطلاح میں فیئَ اس مال کو کہتے ہیں جو بغیر جنگ وقتال کے کفار سے ملے خواہ وہ چھوڑ کر بھاگ جائیں یا رضامندی سے دے دینا قبول کریں۔(8)

مال غنیمت کی تقسیم اور قرآنی ہدایات

ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُم مِّن شَيْءٍ فَأَنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ إِن كُنتُمْ آمَنتُم بِاللَّهِ وَمَا أَنزَلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (9)

---

(5) ابو ھلال حسن بن عبد اللہ، الفروق اللغوية، (قاھرۃ: دار العلم والثقافة للنشر والتوزيع، ۱۴۳۱ھ، ۲۰۰۹ء)، ۱۷۰۔

(6) مفتی محمد شفیع عثمانیؒ، تفسیرمعارف القرآن، (کراچی: ادارة المعارف ،طبع جديد، ۱۴۲۵ھ، ۲۰۰۴ء)، ۱۷۴/۴۔

(7) اسماعیل بن عباد، المحيط في اللغة، (بیروت: عالم الكتب، طبع اول، ۱۴۱۴ھ ، ۱۹۹۴ ء) ، ۴۳۳/۱۰۔

(8) تفسیر معارف القرآن، ۱۷۴/۴۔

(9) سورۃ الانفال: ۴۱/۱۰۔

اور جان لو کہ تم جو کچھ مال غنیمت حاصل کرو،اس کا پانچواں حصہ اللہ اور رسول اور ان کے قرابت داروں،اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کا حق ہے(جس کی ادائیگی تم پر واجب ہے)،اگر تم اللہ پر اور اس چیز(نصرت،وتائید)پر ایمان رکھتے ہو جو ہم نے اپنے بندے پر فیصلے کے دن نازل کی تھی جس دن دو جماعتیں باہم ٹکرائی تھیں۔اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مالِ غنیمت کا حکم اور اس کی تقسیم کا اصول بیان فرمایا ہے،اس کی وضاحت کچھ اس طرح ہے۔

ا۔ مالِ غنیمت کی حلت

مالِ غنیمت کا حلال ہونا رسولُ اللہ صَلَّی اللہُ وَسَلَم کی امت کی خصوصیات میں سے ہے، سابقہ امتوں میں سے کسی کے لئے مال غنیمت حلال نہیں تھا،امت محمدیہ کے لئے بطور انعام حلال کر دیا گیا۔

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم سے پہلے سیاہ سر رکھنے والی کسی قوم کے لیے مال غنیمت حلال نہیں تھا، جب کوئی نبی اور اس کے رفقاء مال غنیمت حاصل کرتے تو وہ اسے ایک جگہ جمع کر دیتے پھر آسمان سے ایک آگ اترتی اور اسے جلا دیتی۔[10] حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ معرکہ بدر کے دن لوگوں نے مال غنیمت کے لیے بڑی جلد بازی کا مظاہرہ کیا اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی

لَّوْلَا كِتَابٌ مِّنَ اللَّهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيمَا أَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ فَكُلُواْ مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلاَلاً طَيِّبًا وَاتَّقُواْ اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ[11]

اگر اللہ کی طرف سے ایک لکھا ہوا حکم پہلے نہ آچکا ہوتا تو جو راستہ تم لوگوں نے اختیار کیا اس کی وجہ سے تم پر بڑی سزا آجاتی۔لہذا اب جو تم نے مال غنیمت حاصل کیا ہے اسے پاکیزہ حلال مال کے طور پر کھاؤ۔چنانچہ اس آیت کے نزول کے بعد مسلمانوں کے لئے غنائم کی حلت ہو گئی۔[12]

---

(10) احمد بن حنبل،مسند الامام احمد بن حنبل،(قاہرہ:دار الحدیث،طبع اول،۱۴۱۶ھ،۱۹۹۵ء)، حدیث رقم:(۷۴۲۹)،۷/۲۳۹۔

(11) سورۃ الانفال:۱۰/۶۸۔

(12) الجصاص، احمد بن علی ابو بکر الرازی ، احکام القرآن ،(بیروت: دار إحیاء التراث العربي،۱۴۰۵ھ،۱۹۸۴ء)،۴/۲۳۰۔

حضرت ابوامامہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے، حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: ''اللہ عَزَّوَجَلَّ نے مجھے تمام انبیاء عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام پر فضیلت بخشی ہے'' یا ارشاد فرمایا ''میری امت کو تمام امتوں پر فضیلت بخشی ہے اور ہمارے لیے مال غنیمت کو حلال کیا ہے۔[13]

حضرت ابوہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے کہ رسولُ اللّٰه صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا: ہم سے پہلے کسی کے لیے غنیمت حلال نہیں ہوئی، اللہ تعالیٰ نے ہمارا ضُعف و عجز دیکھ کر اسے ہمارے لیے حلال کر دیا۔[14]

۲۔ مال غنیمت کی تقسیم کا اصول

امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آیت (واعلموا نما غنمتم۔۔۔الخ)[15] میں اموال غنیمت میں سے صرف خمس کو بیان فرمایا اور بقیہ چار حصوں کے متعلق سکوت فرمایا ہے یہ دلیل ہے اس بات کی کہ بقیہ حصے شرکاء لشکر کی ملکیت ہوں گے۔یعنی چار حصے مجاہدین کے درمیان تقسیم ہونگے اور پانچواں حصہ (خمس) کو بیت المال میں جمع کیا جائے گا۔ خمس سے متعلق چونکہ تفصیل ہے چناچہ اسے مستقل عنوان کے تحت بیان کیا جائے گا۔[16]

۳۔ شہ سوار کے حصے

کتاب اللہ شہ سوار کو پیادہ پر فضیلت دینے کے حوالہ سے خاموش ہے۔امام ابو بکر جصاصؒ لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد

(واعلموا نما غنمتم۔۔۔الخ)[17]

---

(13) ابوعیسی، محمد بن عیسی،سنن الترمذي،(مصر:مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي،طبع ثانی، ۱۳۹۵ھ،۱۹۷۵ء)،باب ما جاء في الغنيمة ،حديث رقم:(۱۵۵۳)،۱۲۳/۴۔

(14) البخاری،ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل،صحيح البخاري، كتاب فرض الخمس، باب احلّت لكم الغنائم،حديث رقم:(۳۱۲۴)۔ المسلم،ابو الحسین بن الحجاج،صحيح مسلم، كتاب الجهاد والسير، باب تحليل الغنائم لهذه الأمة خاصة، حديث رقم:(۱۷۴۷)۔

(15) سورۃ الانفال: ۴۱/۱۰۔

(16) الجصاص،احکام القرآن،۱۳/۸۔

(17) سورۃ الانفال: ۴۱/۱۰۔

ظاہری طور پر سوار اور پیادہ کے حصوں میں مساوات کا مقتضی ہے۔کیونکہ اس میں خطاب تمام غانمین کو ہے۔جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ[18]

اگر عورتیں دو سے زائد ہوں تو انھیں ترکہ کا دو تہائی ملے گا۔ظاہر آیت سے یہی بات سمجھ میں آتی ہے کہ اگر میت کی بیٹیاں دو سے زائد ہوں تو دو تہائی ترکہ کی مساوی طور پر مستحق ہوں گی۔یعنی دو تہائی ترکہ کو آپس میں مساوی طور پر تقسیم کریں گی۔اسی طرح اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میرا یہ غلام ان لوگوں کے لیے ہے تو اسے اس مفہوم پر محمول کیا جائے گا کہ غلام مساوی طور پر ان لوگوں کا ہوگا۔الا یہ کہ ان لوگوں میں سے کسی کے حصے کی زیادتی بیان کر دی گئی ہو۔اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان

(انما غنمتم۔۔۔الخ)[19]

کا مقتضی بھی یہی ہے کہ سب غانمین مال غنیمت کے حصوں میں مساوی طور پر شریک ہوں۔[20]

امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اخبار وارد نہ ہوتیں تو یقیناً گھڑ سوار کا حصہ پیادہ کی طرح ہوتا، غلام آزاد کی مثل ہوتا اور بچہ بالغ کے برابر ہوتا۔[21]

گھڑ سوار کے حصے کے متعلق فقہاء کے مابین اختلاف ہے۔دو موقف ہیں

۱.۱۔ جمہور

۱.۲۔ امام ابو حنیفہؒ

جمہور کا موقف

حضرات صاحبین، ابن ابی لیلی، سفیان ثوری، امام مالک، لیث بن سعد، اوزاعی، امام شافعی، امام احمد اور جمہور کے نزدیک فارس کو تین حصے ملیں گے اور راجل کو ایک حصہ ملے گا۔

(18) سورۃ النساء: ۴/۱۱۔

(19) سورۃ الانفال: ۱۰/۴۱۔

(20) الجصاص، احکام القرآن، ۴/۲۳۹۔

(21) ایضاً، ۴/۲۳۹۔

امام ابو حنیفہؒ کا موقف

امام اعظمؒ کے نزدیک فارس یعنی گھوڑا لے کر جہاد کرنے والے مجاہد کو دو حصے ملیں گے اور راجل یعنی پیدل جہاد کرنے والے کو ایک حصہ ملے گا۔(22)

دلیل موقف جمہور

جمہور کی دلیل حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی یہ حدیث ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فارس کو تین حصے دیئے اور راجل کو ایک حصہ دیا ہے۔(23) اور آپ کا یہ طرز عمل اس بات کی دلیل ہے کہ فارس تین حصے کا حق دار ہے۔ جمہور عقلی دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ مال غنیمت کا استحقاق کفایت اور کام کے اعتبار سے ہوتا ہے اور چونکہ فارس میدان جہاد میں تین کام کرتا ہے

(۱)حملہ کرتا ہے (۲)بھاگ کر پیچھے پلٹتا ہے

(۳)ضرورت پڑنے پر جم کر جنگ بھی کرتا ہے اور راجل صرف ایک ہی کام کرتا ہے یعنی ثبات قدمی کے ساتھ لڑتا ہے تو گویا راجل کے مقابلے میں فارس تین آدمیوں کے کام کے بقدر کام کرتا ہے، اس لیے اسے تین آدمیوں کے بقدر حصہ بھی ملے گا۔(24)

دلیل موقف امام ابو حنیفہؒ

حضرت امام اعظمؒ کی دلیل وہ حدیث ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فارس کو دو حصے دیئے اور راجل کو ایک حصہ دیا(25) اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی

---

(22) الجصاص، احکام القرآن، ۲۳۹/۴۔ والقرطبیؒ، الجامع لاحکام القرآن، ۸/ص۱۵، ۱۴۔

(23) الدارمی، ابو محمد عبداللہ بن عبدالرحمن، مسند الإمام الدارمي، (طبع اول، ۱۴۳۶ھ، ۲۰۱۵ء)، کتاب السیر، باب في سهمان الخیل، حدیث رقم:(۲۴۹۳)، ۸۱۰/۲۔ صحیح البخاري، کتاب الجهادوالسیر، باب سهم الفرس، حدیث رقم:(۲۷۰۸)۔ القرطبیؒ، الجامع لأحكام القرآن، ۱۵/۸۔

(24) المرغینانی، برہان الدین علی بن ابی بکر، الهداية، (بیروت: دار احیاء التراث العربي، ۱۴۳۱ھ، ۲۰۰۹ء)، ۳۸۸/۲۔

(25) الشیبانی، ابو عبد اللہ محمد بن الحسن، السیر، (بیروت: الدار المتحدة للنشر، طبع اول، ۱۹۷۵ھ، ۱۳۹۵ء)، رقم:(۱۸)، ۹۶۔

روایت میں فارس کو تین حصے دینے کا تذکرہ ہے[26] تو دونوں فعلی احادیث میں تعارض ہو گیا اور ضابطہ یہ ہے کہ جب فعل میں تعارض ہو تو قول کی طرف رجوع کیا جاتا ہے اور قول نبی سے یہ ثابت ہے کہ

"للفارس سهمان وللراجل سهم"[27]

اور پھر سنن دار قطنی کی روایت میں خود حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہا سے بھی یہ مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فارس کو دو حصے دیئے ہیں[28] اور قاعدہ یہ ہے کہ ایک راوی کی روایتیں جب متعارض ہو جائیں تو دوسرے کی روایت پر عمل کیا جاتا ہے، لہذا جمہور کا حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ سے استدلال کرنا اور فارس کو تین حصوں کا مستحق قرار دینا صحیح نہیں ہے۔

امام اعظمؒ کی عقلی دلیل یہ ہے کہ فارس راجل کے مقابلے میں جو زیادہ کام کرے گا اس زیادتی کا اعتبار کرنا ناممکن اور دشوار ہے کیونکہ اسے گننا اور شمار کرنا مشکل ہے، لہذا حکم غنیمت کا دار و مدار ظاہری سبب پر ہو گا اور ظاہری سبب فارس کے حق میں دو ہیں

۱۔ اس کا نفس

۲۔ اس کا گھوڑا لہذا وہ دو حصے کا حق دار ہو گا اور راجل کے حق میں ظاہری سبب صرف ایک ہے یعنی نفس اس لیے وہ ایک ہی حصے کا مستحق ہو گا۔[29]

راجح موقف

دونوں آراء معتبر اور گہرے علمی استدلال پر مبنی ہیں، مگر تحقیق و اصولِ ترجیح کی روشنی میں امام ابو حنیفہؒ کا موقف راجح معلوم ہوتا ہے، وجوہ ترجیح درج ذیل ہیں:

۱۔ حدیث ابن عباسؓ واضح، مختصر اور قولِ نبوی ہے، جو اصولی طور پر فعل پر مقدم ہے۔

---

(26) مسند الإمام الدارمي، رقم:(۲۴۹۳)،۲/۸۱۰۔

(27) مالک بن انس، موطأ الإمام مالك، (بیروت: مؤسسة الرسالة، طبع اول،۱۴۱۲ھ،۱۹۹۱ء)، کتاب الجہاد، باب القسم للخيل، رقم:(۹۴۵)،۱/۳۷۲۔

(28) الدار قطنی، ابو الحسن علی بن عمر، سنن الدارقطني، (بیروت: مؤسسة الرسالة، طبع اول، ١٤٢٤ھ، ٢٠٠٤ء)، کتاب السیر، رقم: (۴۱۸۴)۔ صحیح البخاری، كِتَاب الْمَغَازِي، باب غزوة خيبر، حدیث رقم:(۳۹۸۸)۔

(29) المرغینانی، الهداية،۸۳۹/۔

۲۔ حدیث ابن عمرؓ کے دونوں طرح کے روایات (دو اور تین حصے) کی موجودگی باعث تعارض ہے، جبکہ حدیث ابن عباسؓ اس معاملے میں متعین و مستقل ہے۔

۳۔ امام اعظمؒ کی عقلی دلیل نہایت منصفانہ اور قابل عمل ہے، اگر کارکردگی کی مقدار کو بنیاد بنایا جائے تو ہر مجاہد کے لیے انفرادی حساب لگانا ضروری ہو جائے گا، جو ممکن نہیں۔

۴۔ قولِ نبوی "للفارس سهمان، وللراجل سهم" سادہ، جامع اور قابل عمل اصول ہے، جو فقہی قاعدہ بننے کی مکمل اہلیت رکھتا ہے۔

خمس کی تقسیم کا بیان

ارشاد باری تعالی ہے

فَأَنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ[30]

اس (مال غنیمت) کا پانچواں حصہ اللہ اور رسول اور ان کے قرابت داروں، اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کا حق ہے۔

آیت مذکورہ کے اس حصہ میں اللہ تعالی نے مال غنیمت میں سے خمس کی تقسیم کا قانون ذکر فرمایا ہے۔

"خمس"، پانچویں حصہ کو کہتے ہیں، اور شریعت کی اصطلاح حقوقِ مالیہ میں سے "خمس" بھی ایک حق ہے، جو مالِ غنیمت (مجاہدین کو اللہ کے راستے میں جہاد کرتے ہوئے دشمنوں سے حاصل ہو) میں سے اولاً نکالا جائے گا، اور پھر بقیہ چار حصے مجاہدین میں تقسیم ہوں گے۔ قرآن کریم کی سورہ انفال کی مذکورہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے خمس اور اس کے مصارف کو بیان فرمایا ہے۔ اس کو "خمسِ غنائم" کہا جاتا ہے۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ الفاظ قرآنی میں اس جگہ چھ الفاظ مذکور ہیں

۱۔ للہ

۲۔ لِلرَّسُول

۳۔ ذي القربي

۴۔ لليتمي

۵۔ المسكين

۶۔ ابن السبيل

---

(30) سورۃ الانفال: ۴۱/۱۰۔

اس میں لفظ اللہ تو ایک جلی عنوان ہے ان مصارف کا جن میں یہ پانچواں حصہ تقسیم ہوگا یعنی یہ سب مصارف خالص اللہ کے لئے ہیں۔اور اس لفظ کے اس جگہ لانے میں ایک خاص حکمت ہے۔وہ یہ کہ رسول کریم ﷺ اور آپ کے خاندان کے لئے صدقات کا مال حرام قرار دیا گیا ہے کہ وہ آپ کے شایان شان نہیں کیونکہ صدقات عام لوگوں کے اموال کو پاک کرنے کے لئے ان میں سے نکالا ہوا حصہ ہے جس کو حدیث میں "اوساخ الناس" فرمایا ہے[31] یعنی لوگوں کا میل کچیل اور وہ شان نبوت کے لائق نہیں۔[32]

مال غنیمت کے پانچویں حصہ میں سے چونکہ رسول کریم ﷺ اور آپ کے خاندان کو بھی قرآن کی اس آیت میں حصہ دیا گیا ہے اس لئے اس بات پر متنبہ کیا کہ یہ حصہ لوگوں کی ملکیت سے منتقل ہو کر نہیں آیا بلکہ بلا واسطہ اللہ تعالیٰ شانہ کی طرف سے ہے۔یعنی مال غنیمت کفار کی ملک سے نکل کر براہ راست حق تعالیٰ کی خالص ملکیت ہو جاتا ہے پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور انعام تقسیم ہوتا ہے۔اس لئے اس بات کی طرف اشارہ کرنے کے لئے کہ رسول اللہ صلی علیہ السلام اور ذوی القربی کو جو حصہ مال غنیمت کے خمس سے دیا گیا ہے وہ لوگوں کے صدقات کا نہیں بلکہ براہ راست حق تعالیٰ کی طرف سے فضل وانعام ہے۔اس لئیے آیت میں فرمایا گیا "للہ" یعنی یہ سب مال اصل میں خالص اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے اسی فرمان کے مطابق مذکورہ مصارف میں خرچ کیا جائے گا۔

ا۔ تقسیم خمس کی کیفیت:

خمس کی تقسیم کی کیفیت میں فقہاء کے مابین اختلاف ہے۔علماء نے اس حوالہ سے مختلف آراء ذکر فرمائی ہیں۔

پہلی رائے

امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک خمس کے تین حصے کئے جائیں گے جن میں سے ایک حصہ یتیموں کا ہوگا، ایک حصہ مساکین کا ہوگا، اور ایک حصہ مسافروں کا ہوگا، اور نبی اکرم ﷺ کے محتاج قرابت دار بھی ان تینوں اصناف کے ساتھ مستحق خمس ہوں گے بلکہ سب سے مقدم ہوں گے، کیونکہ ان کے ساتھ آپ ﷺ کی نسبت وابستہ ہے، لہذا امام صاحب کے ہاں رسول اکرم ﷺ کے مالدار قرابت دار خمس میں شریک نہیں ہوں گے اور انہیں اس میں سے حصہ نہیں دیا جائے گا۔[33]

---

(31) موطأالامام مالک، کتاب الجامع، باب ما یکرہ من الصدقة، حدیث رقم:(۲۱۱۴)،۲/۱۸۰۔

(32) الجصاص، احکام القرآن، ۴/۲۴۸-۲۴۷۔

(33) القرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ۸/۱۱۔
والجصاص، احکام القرآن، ۴/۲۴۵۔

امام جصاصؒ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ذکر کیا ہے کہ چاروں خلفاءراشدین خمس کے تین حصے کیا کرتے تھے۔لہذا جب چاروں خلفاءراشدیں اس بات پر متفق ہوگئے ہیں تو ان کے اجماع کی بنیاد پر اس مسئلہ کی حجیت اور قطعیت ثابت ہوگئی۔[34]

امام اعظمؒ بھی اسی سے استدلال کرتے ہیں کہ جس طرح ہم نے تقسیم کی ہے اسی طرح کی تقسیم حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم سے مروی ہے[35] اور حضرات خلفائے راشدین کا طرز عمل ہمارے لیے اسوہ اور نمونہ کے حوالے سے کافی ہے۔نیز آپ نے بنو ہاشم کو صدقہ اور زکوۃ کے استعمال سے منع فرمایا ہے اور ان کی جگہ خمس کے استعمال کو جائز قرار دیا ہے[36] گویا خمس اسی کے لیے درست ہے جس کے لیے معوض یعنی زکوۃ لینا اور ظاہر ہے کہ زکوۃ کے مستحق اور مصرف فقراء ہیں لہذا خمس کے حق دار بھی آپ کے محتاج اور فقیر قرابت دار ہی ہوں گے اور چوں کہ شرافت نسبی اور قرابت نبوی کی وجہ سے ہی بنو ہاشم کے فقراء کو زکوۃ لینے سے منع کیا گیا ہے لہذا جو چیز زکوۃ کا عوض ہے یعنی خمس اس کے مستحق بھی صرف فقراء ہی ہوں گے۔اغنیاء کو اسمیں شریک کرنا درست نہیں ہے۔[37]

دوسری رائے

امام مالکؒ کے نزدیک خمس کی تقسیم کا معاملہ امام کی رائے اور اجتہاد کے حوالہ کر دیا جائے گا۔لہذا وہ اس مال سے بغیر اندازے کے لے سکتا ہے اور اجتہاد کے ساتھ اس سے رسول اللہ ﷺ کے قرابت داروں کو بھی دے سکتا ہے اور باقی ماندہ مسلمانوں کے مصالح کے لیے بھی خرچ کر سکتا ہے۔اسی طرح خلفاء اربعہ رضی اللہ عنھم نے کہا ہے اور اس کے مطابق عمل کیا ہے۔اور اس پر رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد بھی دلالت کرتا ہے

مالی مما أفاء الله علیکم إلا الخمس والخمس مردود علیکم[38]

---

(34) ایضا،۴/۲۴۷۔

(35) الطحاوی،ابوجعفر احمد بن محمد،شرح معاني الآثار،(قاهرة:عالم الکتب،طبع اول، ۱۴۱۴ ، ۱۹۹۴ء)،رقم:(۵۲۱۱)،۳/۲۳۳۔

(36) الطبرانی، ابو القاسم سلیمان بن احمد،المعجم الکبیر،(القاهرة:مکتبة ابن تیمیة،طبع ثانی)،رقم:(۱۱۵۴۳)،۱۱/۲۱۷۔

(37) المرغینانی،الهدایة،۲/۳۹۱-۳۹۰۔

(38) موطاالامام مالک،کتاب الجهاد، باب الغلول في سبیل الله، وما جاء فیه ،حدیث رقم:(۹۲۳)۔

اللہ تعالیٰ نے تمہیں جو مال غنیمت عطا فرمایا ہے میرے لیے اس میں سے سوائے خمس کے کچھ نہیں اور خمس بھی تم پر لوٹا دیا جائے گا۔ کیونکہ آپ نے اسے نہ پانچ حصوں میں تقسیم کیا ہے اور نہ ہی تین حصوں میں اور آیت میں جو ذکر کیا گیا ہے وہ محض ان پر تنبیہ کے لیے ذکر کر دیا گیا ہے، کیونکہ وہ ان میں سے زیادہ اہم ہیں جنہیں خمس سے دیا جا سکتا ہے۔(39)

تیسری رائے

امام شافعیؒ کے نزدیک خمس کو پانچ حصوں پر تقسیم کیا جائے گا۔ اور آپ نے اللہ تعالیٰ اور رسول مکرم ﷺ کے حصہ کو ایک قرار دیا ہے اور یہ کہ اسے مومنین کے مصالح میں خرچ کیا جائے گا۔ اور بقیہ چار حصے آیت میں مذکور چار صنفوں پر خرچ کیے جائیں گے۔(40)

امام شافعیؒ کے ہاں محتاج اور غنی دونوں صنف ذوی القربیٰ میں شریک ہوں گے اور دونوں کو حصہ ملے گا۔ وہ فرماتے ہیں کہ جس آیت کریمہ سے ذوی القربیٰ کے لیے خمس کا استحقاق ثابت ہے وہ آیت غنی اور فقیر کی تفصیل سے خالی ہے اور اس آیت میں غنی اور فقیر کے مابین کوئی فرق نہیں کیا گیا ہے، اس لیے ہمیں غنی کو نکالنے کا حق نہیں ہے لہذا وہ بھی مستحق خمس ہو گا۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلیؒ نے اپنی کتاب "الفقہ الاسلامی وادلتہ" میں جمہور فقہاء کا بھی یہی موقف ذکر فرمایا ہے۔(41)

راجح رائے

تینوں آراء علمی اعتبار سے مضبوط ہیں اور ہر ایک کی بنیاد قرآن، سنت اور آثار صحابہ پر ہے، مگر تحقیقی اصول اور صحابہ کے تعامل کو سامنے رکھتے ہوئے امام ابو حنیفہؒ کی رائے زیادہ راجح معلوم ہوتی ہے، وجوہ ترجیح درج ذیل ہیں:

---

(39) القرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ۱۱/۸۔
والجصاص، احکام القرآن، ۲۴۷/۴۔

(40) القرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ۱۰/۸۔

(41) القرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ۱۰/۸۔
المرغینانی، الهدایۃ، ۳۹۰/۲۔
الزحیلی، الفقه الإسلامي وأدلته، (دمشق: دار الفکر، ۱۴۳۳ھ، ۲۰۱۱ء)، ۵۹۰۱/۸-۵۹۰۰۔

۱۔ خلفائے راشدین کا متفقہ عمل یعنی چاروں خلفاء نے خمس کو تین حصوں میں تقسیم کیا، جو اجماعِ صحابہ کی صورت اختیار کر چکا۔

۲۔ خمس کو شریعت نے زکوٰۃ کی متبادل حیثیت دی ہے، جو فقراء و محروم طبقات کی مدد کے لیے مخصوص ہے۔ اسی وجہ سے بنو ہاشم کو زکوٰۃ سے روکا گیا اور خمس سے امداد دی گئی۔ تو خمس میں مالداروں کو شریک کرنا اس مقصد کے خلاف ہوگا۔

۳۔ امام ابو حنیفہؒ کا قول واضح کرتا ہے کہ نسبی شرافت کے باوجود اگر مالی ضرورت نہ ہو، تو خمس کا حصہ نہیں۔ یہ نقطہ عدل اور فلاحی مقاصد کے زیادہ قریب ہے۔

۴۔ اگرچہ آیت میں پانچ اصناف کا ذکر ہے، لیکن عملاً صحابہ کا عمل تین پر محدود رہا، جسے مفوض الیہ التصرف یعنی ریاست کا نمائندہ (امام) عملی اجتہاد سے نافذ کر سکتا ہے۔

۲۔ ذوی القربیٰ کا اطلاق

ذوی القربیٰ کی تعیین کے حوالہ سے فقہاء کے مابین اختلاف ہے۔ اس بارے علماء نے مختلف آراء ذکر فرمائی ہیں۔

پہلی رائے

امام مالک، ثوری اور اوزاعی رحمھم اللہ کے نزدیک ذوی القربیٰ سے مراد صرف بنو ہاشم ہیں۔[42]

دوسری رائے

امام شافعی، امام احمد، ابو ثور، مجاہد، قتادہ، ابن جریج اور مسلم بن خالد رحمھم اللہ کے نزدیک ذوی القربیٰ سے مراد بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب ہیں۔[43] اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب ذوی القربیٰ کا حصہ بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب کے درمیان تقسیم فرمایا تو فرمایا: بے شک انہوں نے مجھے نا تو زمانہ جاہلیت میں جدا کیا اور نا زمانہ اسلام میں بے شک بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب ایک ہی صنف ہیں۔[44]

(42) القرطبی، الجامع لاحکام القرآن ،۱۲/۸۔

(43) القرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ۱۲/۸

(44) النسائی، ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب، السنن الکبریٰ، (بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ، طبع اول، ۱۴۲۱ھ، ۲۰۰۱ء)، حدیث رقم: (۴۴۲۳)، ۴/۳۲۷۔

تیسری رائے

امام ابو بکر جصاص فرماتے ہیں۔احناف کے نزدیک ذوی القربی سے مراد آپ ﷺ کی آل (یعنی آل علی)،آل جعفر،آل عقیل اور آل حارث بن عبد المطلب ہیں۔اس لئے کہ یہ اہل بیت نبی کہلاتے ہیں اور ان پر زکوۃ وصدقات کا مال حرام ہے لہذا ذوی القربی میں بھی یہی شامل ہونگے۔[45]

چوتھی رائے

بعض سلف کے نزدیک ذوی القربی سے مراد تمام قریش ہیں[46]اس لئے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی

وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ ٱلْأَقْرَبِينَ[47]

توآپ نے قبیلہ قریش کی شاخوں میں سے ایک ایک کا نام لیکر کہا(**انی نذیرلکم بین یدی عذاب شدید**)اگر تمام قریش ذوی القربی میں شامل نہ ہوتے تو آپ ﷺ ان آیات کے نزول کے بعد خصوصی طور اس طرح اکٹھے سب کو دعوت اسلام نہ دیتے۔[48]

راجح رائے

تمام آراء اپنی جگہ علمی استدلال پر مبنی ہیں، لیکن اصولِ ترجیح، مقاصدِ شریعت، اور عملی نفاذ کے پہلو سے دیکھا جائے تو تیسری رائے (موقفِ احناف) زیادہ راجح معلوم ہوتی ہے، وجوہ ترجیح درج ذیل ہیں:

۱۔ خمس کا اصل مصرف وہ طبقہ ہے جسے زکوٰۃ سے محروم رکھا گیا۔ اس لیے اس کا مصرف صرف وہی قرابت دار ہونے چاہیے جو واقعی اہلِ بیت کہلائیں اور مالی طور پر محتاج ہوں۔

۲۔ آل علی، آل جعفر وغیرہ کی تعیین ممکن ہے، جبکہ "تمام قریش" یا "بنو عبد المطلب" کی وسعت عملی تقسیم میں مشکل پیدا کر سکتی ہے۔

۳۔ "المقید مقدم علی المطلق" مقید نص کو مطلق پر ترجیح دی جاتی ہے۔ لہٰذا وہ تفسیر جس میں ذوی القربی کو محدود دائرے میں لیا گیا ہو (جیسے اہلِ بیت خاص)، وہ راجح ہے۔

---

(45) الجصاص،احکام القرآن،۲۴۹/۴۔

(46) الجصاص،احکام القرآن،۲۴۹/۴۔

(47) سورۃ الشعراء:۲۱۴/۱۹۔

(48) التبریزی، محمد بن عبداللہ ،مشکاۃ المصابیح،(بیروت:المکتب الاسلامی،طبع ثالث،۱۹۸۵ھ، ۱۴۰۵ء)، حدیث رقم:(۵۸۳۶)،۱۶۲۵/۳۔

۴۔ زکوٰۃ چونکہ بنو ہاشم اور آل نبی کے لیے حرام ہے، اس لیے ان کا بدل (خمس) بھی انہی کے لیے مخصوص ہونا چاہیے، نہ کہ ہر قریشی کے لیے۔

۳۔ تنفیل امام میں خمس

اگر امیر لشکر یہ اعلان کردے کہ جس شخص کے ہاتھ جو چیز لگ جائے وہ اس کی ہو جائے گی تو اس اعلان کی کیا حیثیت ہو گی۔ امام جصاصؒ فرماتے ہیں کہ اس بارے فقہاء کے مابین اختلاف ہے۔

پہلی رائے

احناف، سفیان ثوریؒ اور اوزاعیؒ کے نزدیک امیر لشکر کے اس اعلان کے مطابق عمل ہو گا اور اس مال سے خمس وصول نہیں کیا جائے گا۔

دوسری رائے

امام مالکؒ کے نزدیک ایسا اعلان مکروہ ہے۔ اس لئے کہ یہ عمل پیسے اور انعام دے کر جنگ پر بھیجنے کے مترادف ہے۔

تیسری رائے

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مقتول کے سلب کے سوا جو چیز بھی کسی کے ہاتھ لگے گی اس میں سے خمس وصول کیا جائے گا۔

امام جصاصؒ فرماتے ہیں کہ امیر لشکر کا یہ اعلان اسکے اس اعلان کی طرح ہے کہ جو شخص دشمن کے کسی آدمی کو قتل کر دے گا اسے اس کا سلب مل جائے گا، جب امیر لشکر کے اس اعلان کی بنا پر سلب میں سے خمس نکالنا واجب نہیں ہوتا تو پھر اس زیر بحث اعلان کی بنیاد پر حاصل ہونے والے مال میں سے خمس نکالنا واجب نہیں ہونا چاہیے۔[49]

راجح رائے

احناف، امام اوزاعی اور امام ثوری کا موقف، تنفیلِ امام کے تحت ملنے والے مال پر خمس واجب نہیں اصولی، فقہی اور عملی بنیادوں پر زیادہ مضبوط اور شریعت کے مقاصد کے قریب تر ہونے کی وجہ سے راجح معلوم ہوتا ہے، وجوہ ترجیح درج ذیل ہیں:

---

(49) الجصاص، احکام القرآن، ۲۳۶/۴۔

۱۔ تصرف بالا علان مال غنیمت کے دائرے سے خارج کرتا ہے یعنی جب امام لشکر مال کو کسی مجاہد کی ملکیت قرار دے دے تو وہ مال اب عمومی مالِ غنیمت نہیں رہتا، بلکہ بطور انعام (نفل) اس مجاہد کو ملتا ہے۔

۲۔ سلب کی مثال سے تقابل، اس اعلان پر خمس لاگو نہیں ہوتا، تو تنفیلِ امام کا معاملہ بھی اسی نوعیت کا ہے۔

۳۔ اگر امام اپنی تدبیر سے مال کی ملکیت مخصوص کرے، تو اس میں ریاستی اختیار کا استعمال ہے، جسے قرآن و سنت نے تسلیم کیا ہے۔

۴۔ ایسی صورت میں خمس لینے پر اصرار نہ صرف عملاً مشکل ہوگا بلکہ جنگی نظم اور تشویق المجاہدین کے خلاف بھی ہو سکتا ہے۔

سلب مقتول کے احکام

سلب مقتول کا مفہوم

وہ مال، لباس، اسلحہ، یا دیگر اشیاء جو میدان جنگ میں قتل کیے جانے والے دشمن کے جسم پر یا اس کے ساتھ موجود ہوں۔ یہ اشیاء اُس شخص کو دی جاتی ہیں جو دشمن کو قتل کرے، اور یہ عمل بطور انعام اور تشویق کے کیا جاتا ہے۔[50]

۱۔ سلب کی تعیین

علماء نے تعیین سلب سے متعلق فقہاء کی مختلف آراء ذکر کیں ہیں۔

ہتھیار اور وہ تمام اشیاء جو جنگ کے لئے ضروری سمجھی جاتی ہیں اس طرح کی تمام اشیاء بالاتفاق سلب میں شامل ہوں گی۔ اور اسی طرح وہ تھیلی جس میں دنانیر یا جواہر یا اس طرح کی کوئی چیز ہو تو بالاتفاق وہ مال سلب میں شامل نہیں ہوگا۔

۱.۱۔ امام احمدؒ کے نزدیک وہ گھوڑا جس پر سوار ہو کر مقتول نے قتال کیا ہے وہ سلب میں شامل نہیں ہوگا۔

۲.۱۔ امام اوزاعیؒ کے نزدیک مقتول جس سامان کے ساتھ جنگ کے لئے مزین ہو کر آئے وہ سارا سامان سلب شمار ہوگا۔

---

(50) الزحيلي، الفقه الإسلامي وأدلته، ۵۸۹۲/۸۔

۳.۱۔ حضرت سحنون رحمہ اللہ کے نزدیک سوائے کمر بند کے سارا سامان سلب شمار ہو گا۔(51)

راجح رائے

سلب مقتول کی تعیین کے مسئلے میں امام اوزاعیؒ کا موقف کہ مقتول کی وہ تمام اشیاء جو جنگی لباس، ہتھیار، زرہ یا جنگی زینت کے طور پر استعمال ہوئی ہوں، وہ سلب میں شمار ہوں گی، راجح معلوم ہوتا ہے، وجوہ ترجیح درج ذیل ہیں:

۱۔ حدود و قیود کا واضح ہونا، یعنی امام اوزاعیؒ نے "سامانِ جنگ" کی بنیاد پر تخصیص کی، جو فقہی قیاس، عرف، اور قرائن کے مطابق قابل عمل اور معقول ہے۔

۲۔ میدانِ جنگ میں مقتول کے ساتھ موجود سامان کی مکمل تفصیل دستیاب نہیں ہوتی، اس لیے جو کچھ جنگ میں بطور اسلحہ یا جنگی لباس استعمال ہوا، وہ سلب شمار کرنا عملی نفاذ کے اعتبار سے زیادہ آسان ہے۔

۳۔ فقہی قاعدہ "القرائن فی الاموال معتبرۃ" مال کی ملکیت کے تعین میں قرینہ کو اہمیت دی جاتی ہے، اور جنگ کے لیے پہنا گیا یا ساتھ رکھا گیا سامان اس قرینے کے تحت سلب میں شامل ہونا چاہیے۔

۴۔ قاتل مجاہد کی حوصلہ افزائی اور انعام کی روح بھی اسی میں ہے کہ اسے مکمل جنگی سامان ملے، تاکہ وہ سلب کے وعدے سے ترغیب پا کر پوری ہمت سے لڑے۔

۲۔ سلب مقتول میں قاتل کا استحقاق:

مقتول دشمن کے ساز و سامان میں قاتل کی ملکیت کے استحقاق کے بارے فقہاء کے مابین اختلاف ہے۔

موقف اول

امام اوزاعیؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک سلب ہر صورت قاتل کو ہی ملے گا۔(52)

دلیل

حدیث پاک میں صاف طور پر یہ اعلان کر دیا گیا ہے کہ

(51) القرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ۹/۸۔

(52) الجصاص، احکام القرآن، ۲۳۳/۴۔
الزحیلی، الفقه الإسلامي وأدلته، ۵۸۹۲/۸۔

"من قتل قتيلا فله سلبه"[53]

اس حدیث سے استدلال اس طور پر کرتے ہے کہ آپ ﷺ نے اس فرمان گرامی میں ایک قاعدہ اور قانون بتلادیا ہے اور عام فہم میں قاتل کو مقتول کے سامان کا مستحق قرار دیا ہے اور چوں کہ آپ ﷺ قانون شریعت بنانے اور لوگوں کو بتانے ہی کے لیے اس دنیا میں تشریف لائے تھے، لہذا اس حوالے سے اس پہلو کو مزید تقویت حاصل ہوگی۔ عقلی طور پر بھی جب قاتل کسی ایسے کافر کو قتل کرے گا جو سامنے سے آکر مسلمانوں پر حملہ کرنا چاہتا ہو تو ظاہر ہے کہ وہ اس کے شر سے بہت سے مسلمانوں کی جان بچائے گا اور مسلمانوں کی جان بچانا بہت بڑا نفع ہے اور بہت اہم کام ہے اس لیے بھی یہ مسلم قاتل اس کافر مقتول کے ساز و سامان کا مستحق ہوگا تاکہ اس کے اور اس کے علاوہ دوسرے قاتلوں اور مجاہدوں میں فرق ہو جائے۔[54]

موقف ثانی

امام اعظمؒ، امام مالکؒ اور سفیان ثوریؒ کے نزدیک قاتل کو اسی صورت مقتول کا سامان ملے گا جب امام نے یہ اعلان کیا ہو "من قتل قتيلا فله سلبه" لیکن اگر امام نے یہ اعلان نا کیا ہو تو قاتل مقتول کے سامان کا حق دار نہیں ہوگا۔[55]

دلیل

دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ قاتل نے سامان لشکر کی طاقت کے بل بوتے حاصل کیا ہے لہذا وہ سامان مال غنیمت میں شامل ہوگا اور غنائم کی طرح تقسیم ہوگا۔ اور دوسرا یہ کہ رسول اکرم ﷺ نے حضرت حبیب بن سلمہ رضی اللہ عنہ سے یہ ارشاد فرمایا تھا کہ

"ليس لك من سلب قتيلك إلا ما طابت به نفس إمامك"[56]

(53) الصنعانی، محمد بن اسماعیل بن صلاح، التَّحبير لإيضَاح مَعَاني التَّيسير، (ریاض: مكتبة الرشد، طبع اول، ۱۴۳۳ھ، ۲۰۱۲ء)، ۳/۱۳۷۔

(54) المرغینانی، الهداية، ۲/۳۹۲۔

(55) الجصاص، احكام القرآن، ۴/۲۳۳۔
الزحیلی، الفقه الإسلامي وأدلته، ۸/۵۸۹۲۔

(56) الاُرمی، محمد الامین بن عبد اللہ، الكوكب الوهَّاج والرَّوض البَهَّاج في شرح صحيح مسلم بن الحجاج،
(مکۃ المکرمہ: دار المنهاج، طبع اول، ۱۴۳۰ھ، ۲۰۰۹ء)، ۱۹/۱۴۳۔

کہ مقتول کے سامان میں صرف تمہارا ہی حق نہیں ہے یعنی وہ پورا سامان تمہارا نہیں ہے بلکہ جتنا تمہیں تمہارا امام دیدے بس اتنا لے لو۔

صاحب بنایہ نے لکھا ہے [57] کہ یہ حضرت حبیب رضی اللہ عنہ سے براہ راست حضرت نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی نہیں ہے، بلکہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے اور واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت حبیب رضی اللہ عنہ نے کسی تاجر کو قتل کیا تھا اور اس کے پاس بہت زیادہ مال تھا چنانچہ جب وہ مال لایا گیا تو حضرت حبیب رضی اللہ عنہ نے پورا مال لینا چاہا لیکن حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ پورا مت لو، اس پر حضرت حبیب نے فرمایا

"قال رسول الله ﷺ من قتل قتيلا فله سلبه"

یہ سن کر حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے کہا" لم يكن ذلك للأبد" کہ آں حضرت ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہمیشہ کے لیے نہ تھا اس پر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے حضرت حبیب رضی اللہ عنہ سے فرمایا

"ألا تتقى الله وتأخذ ماطابت به نفس إمامك"

کہ اے حبیب اللہ سے ڈرو اور جتنا امام دیدے چپ چاپ لے لو اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے اسے حضرت نبی اکرم ﷺ تک مرفوع کر دیا [58] اور اس پر ان حضرات کا اتفاق ہو گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ بغیر اعلان سابق کے قاتل کو مقتول کا پورا سامان نہیں ملے گا۔ اور جہاں تک مذہب اول کی پیش کردہ حدیث کا تعلق ہے تو اس میں دو احتمال ہیں

(۱) یہ قانون ہو

(۲) یہ بطور انعام اور تنفیل ہو۔

اور چوں کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ والی روایت سے اس کا تنفیل کے طور پر ہونا مؤید ہے اس لیے ہم اسے تنفیل پر ہی محمول کریں گے۔ اور پھر اگر یہ قانون ہوتا تو اس میں سامنے سے حملہ کرنے والے کے قتل کی شرط نہ ہوتی کیوں کہ شریعت کے قوانین عموماً عام ہوتے ہیں۔ [59]

---

(57) العینی، بدر الدین محمود بن احمد، البناية شرح الهداية،(بیروت:دار الكتب العلمية، طبع اول، ۱۴۲۰ھ، ۲۰۰۰ء)، ۷/۱۸۳-۱۸۶۔

(58) البیہقی، ابو بکر احمد بن الحسین، معرفة السنن والآثار، (کراتشی: جامعة الدراسات الإسلامية، طبع اول، ۱۴۱۲ھ، ۱۹۹۱ء)، رقم: (۱۲۱۷۵)، ۹/۸۔

(59) المرغینانی، الهداية، ۲/۳۹۲۔

راجح موقف

امام ابو حنیفہؒ اور جمہور کا موقف دلائل، فقہی اصول، اور عملی نفاذ کا جائزہ لینے کے بعد باحث کو زیادہ قوی اور راجح معلوم ہوتا ہے، وجوہ ترجیح درج ذیل ہیں:

۱۔ مالِ غنیمت تمام لشکر کا حق ہوتا ہے۔ کسی ایک فرد کو اس میں سے دینے کے لیے ریاستی اجازت (امام کی اجازت) ضروری ہے۔

۲۔ حدیث "من قتل قتیلا..." میں عام قانون سازی نہیں، بلکہ ترغیبی اعلان مراد ہے، جس پر عمل تبھی ممکن ہے جب امیر لشکر اسے نافذ کرے۔

۳۔ حضرت معاذؓ، حضرت ابو عبیدہؓ، اور دیگر اکابر صحابہؓ کا اجماعی تعامل اس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ سلب امام کے اذن سے مشروط ہے۔

۴۔ حدیث کے الفاظ میں عموم کی عدم موجودگی یعنی اگر "من قتل قتیلا..." کو عام اور ہر وقت لاگو قانون مانا جائے تو اس سے جنگی نظم درہم برہم ہو سکتا ہے، جبکہ شریعت کے اصول عمومی طور پر قواعد کلیہ اور نظم وعدل کے تحت آتے ہیں۔

۳۔ قتال کے دوران چھینے گئے مال میں خمس کے متعلق فقہاء کے مابین اختلاف ہے۔

پہلی رائے

امام شافعیؒ کے نزدیک چھینے گئے مال سے خمس نہیں نکالا جائے گا۔[60] امام شافعیؒ کی حجت حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مقتول سے چھینے ہوئے مال کا قاتل کے لئے فیصلہ فرمایا اور خمس نہیں لیا۔[61]

دوسری رائے

ابو اسحاقؒ کے نزدیک چھینا گیا مال اگر کم ہو تو خمس کی مد میں نہیں لیا جائے گا لیکن اگر مال مقدار میں زیادہ ہو گا تو خمس نکالا جائے گا۔[62] ابو اسحاقؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت براء ابن مالک رضی اللہ عنہ کے

---

(60) القرطبی، الجامع لأحكام القرآن، ۸/۸۔

(61) ابن بطال، ابو الحسن علي بن خلف، شرح صحيح البخاري لابن بطال، (رياض: مكتبة الرشد، طبع ثانی، ۱۴۲۳ھ، ۲۰۰۳ء)، ۵/۳۱۳۔

(62) القرطبی، الجامع لاحكام القرآن، ۸/۸۔

ساتھ ایسا ہی کیا جب وہ دشمن کے مد مقابل ہوئے اور اسے قتل کر دیا، تو اس کے کمر بند اور کنگنوں کی قیمت زیادہ تھی تو آپ رضی اللہ عنہ نے اس کا خمس لیا۔[63]

تیسری رائے

امام اوزاعیؒ اور مکحولؒ کے نزدیک چھینا گیا مال، مال غنیمت ہے لہذا خمس نکالا جائے گا۔[64] یہ حضرات فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے براء بن مالک رضی اللہ عنہ کو مقتول کے ہتھیار بطور نفل (انعام) کے دیئے اور کمر بند اور کنگنوں کی قیمت لگائی اور پھر اس سے خمس نکالا۔[65]

راجح رائے

تینوں آراء اجتہادی استدلال پر مبنی ہیں، مگر اصولی، عملی اور سیرتِ خلفاء کی روشنی میں ابو اسحاقؒ کا موقف راجح معلوم ہوتا ہے، وجوہ ترجیح درج ذیل ہیں:

۱۔ حضرت عمرؓ نے نہ تو ہر سلب پر خمس لازم کیا اور نہ ہی مکمل طور پر مستثنیٰ قرار دیا، بلکہ مال کی مقدار کو معیار بنایا، جو عدل، توازن اور مقاصدِ شریعت کے عین مطابق ہے۔

۲۔ تھوڑے مال پر خمس سے اجتناب قاتل کی ترغیب کا ذریعہ بنتا ہے، جبکہ زیادہ مال پر خمس لینا ریاستی حقوق کی حفاظت کرتا ہے۔

۳۔ غنائمِ جنگ کی تقسیم میں شریعت نے بعض معاملات میں کفایت و تناسب کا اصول اپنایا ہے، جیسے شہسوار و پیادہ کے حصے، خمس کی مصارف، وغیرہ۔ اسی قیاس پر یہاں بھی مال کی مقدار کو فیصلہ کن عامل بنانا راجح ہے۔

---

(63) الفاکہانی، تاج الدین ابو حفص عمر بن علی، رياض الأفهام في شرح عمدة الأحكام، (سوریا: دار النوادر، طبع اول، ۱۴۳۱ھ، ۲۰۱۰ء)، ۵/۵۶۰۔ سنن أبي داود، حديث رقم: (۲۷۲۱)۔

(64) القرطبیؒ، الجامع لأحكام القرآن، ۸/۸۔

(65) الجوزجانی، ابو عثمان سعید بن منصور، سنن سعید بن منصور، (الہند: الدار السلفية، طبع اول، ۱۴۰۳ھ، ۱۹۸۲ء)، رقم: (۲۷۱۲)، ۲/۳۱۰۔

النیشاپوری، ابو بکر محمد بن ابراہیم، لأوسط في السنن والإجماع والاختلاف، (الرياض: دار طيبة، طبع اول، ۱۴۰۵ھ، ۱۹۸۵ء)، رقم: (۶۴۹۵)، ۱۱/۱۱۰۔

نتائج وسفارشات

۱۔ امام قرطبیؒ اور امام ابو بکر جصاصؒ کا انداز قرآن پاک کی تفسیر میں فقہی نوعیت کا ہے۔

۲۔ مال غنیمت کا تعلق ان عسکری احکامات سے ہے جن میں جنگ و قتال کے ذریعے حاصل ہونے والے مال سے متعلق احکام بیان کئے گئے ہیں۔

۳۔ مال غنیمت سے متعلق احکام جنگ بدر کے موقع پر نازل ہوئے۔

۴۔ سورۃ انفال کی آیت نمبر ۴۱ میں مال غنیمت کی تقسیم کے بارے مفصل احکام نازل ہوئے۔

۵۔ غیر مسلموں سے جو مال جنگ و قتال اور قہر وغلبہ کے ذریعہ حاصل ہو اُس کو مال غنیمت کہتے ہیں۔

۶۔ مال غنیمت کا حلال ہونا رسولُ اللہ صَلَّی اللہُ وَسَلمؐ کی امت کی خصوصیات میں سے ہے، سابقہ امتوں میں سے کسی کے لئے مال غنیمت حلال نہیں تھا، امت محمدیہ کے لئے بطور انعام حلال کر دیا گیا۔

۷۔ اللہ تعالی نے آیت (واعلموا نما غنمتم۔۔۔) میں اموال غنیمت میں سے صرف خمس کو بیان فرمایا اور بقیہ چار حصوں کے متعلق سکوت فرمایا ہے یہ دلیل ہے اس بات پر کہ بقیہ حصے شرکاء لشکر کی ملکیت ہوں گے۔

۸۔ کتاب اللہ شہ سوار کو پیادہ پر فضیلت دینے کے حوالہ سے خاموش ہے۔ البتہ فقہاء کے مابین اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ دو مذہب ہیں

۱.۱۲۔ امام ابو حنیفہؒ

۱۲.۲۔ جمہور۔

۹۔ "خمس" پانچویں حصہ کو کہتے ہیں، اور شریعت کی اصطلاح حقوقِ مالیہ میں سے "خمس" بھی ایک حق ہے۔ جو مالِ غنیمت میں سے اولاً نکالا جائے گا، اور پھر بقیہ چار حصے مجاہدین میں تقسیم ہوں گے۔

۱۰۔ ذوی القربی کی تعیین کے حوالہ سے فقہاء کے مابین اختلاف ہے۔ اور منتخب تفاسیر میں اس بارے مختلف اقوال ذکر کیے گئے ہیں۔

۱۱۔ سلب مقتول اس مال، لباس، اسلحہ، یا دیگر اشیاء کو کہا جاتا ہے جو میدان جنگ میں قتل کیے جانے والے دشمن کے جسم پر یا اس کے ساتھ موجود ہو۔ یہ اشیاء اُس شخص کو دی جاتی ہیں جو دشمن کو قتل کرے، اور یہ عمل بطور انعام اور تشویق کے کیا جاتا ہے۔

۱۲۔ مقتول دشمن کے ساز و سامان میں قاتل کی ملکیت کے استحقاق کے بارے فقہاء کے مابین اختلاف ہے

۱۳۔ فقہاء، ماہرین قانون اور بین الاقوامی تعلقات کے ماہرین پر مشتمل ایک ایسا پلیٹ فارم قائم کیا جائے جو مالِ غنیمت کے موضوع پر اسلامی اور عالمی قوانین کا تقابلی مطالعہ کر کے متفقہ سفارشات مرتب کرے۔

۱۴۔ موجودہ بین الاقوامی قوانین میں مالِ غنیمت اور جنگی اموال سے متعلق اسلامی اصولوں کو شامل کرنے کے لیے مسلم ممالک کو مشترکہ سطح پر آواز اٹھانی چاہیے تاکہ شریعت اسلامیہ کا مؤقف عالمی سطح پر تسلیم کیا جاسکے۔

۱۵۔ اسلامی اصولوں کے مطابق مالِ غنیمت کا حصول، تقسیم اور استعمال ایک منظم اور اخلاقی دائرے میں ہوتا ہے، لہٰذا مسلم ممالک کو چاہیے کہ وہ اپنے فوجی و عدالتی نظام میں ان اصولوں کی وضاحت کریں اور ان پر عمل درآمد کو یقینی بنائیں۔

۱۶۔ بین الاقوامی فورمز، جیسے اقوام متحدہ اور انسانی حقوق کی تنظیموں میں اسلامی شریعت کے مطابق مالِ غنیمت کے ضوابط کو علمی و تحقیقی انداز میں پیش کیا جائے تاکہ اسلام کے پرامن اور منظم جنگی اصول دنیا کے سامنے آسکیں۔

۱۷۔ غنیمت کا ایک حصہ یتیموں اور مساکین کے لیے مخصوص کیا گیا ہے، جس سے معاشرتی فلاح و بہبود میں اضافہ ہوتا ہے۔

۱۸۔ مال غنیمت کی تقسیم میں شریعت کے اصولوں کی مکمل پابندی کرنی چاہیے تاکہ اسلامی قوانین کی روح برقرار رہے۔

۱۹۔ یونیورسٹیوں اور دینی اداروں میں ایسے تربیتی پروگرامز اور سیمینارز منعقد کیے جائیں جو نوجوان نسل کو بین الاقوامی قانون اور اسلامی فقہ کے امتزاج سے روشناس کرائیں، تاکہ وہ عالمی سطح پر مؤثر کردار ادا کر سکیں۔

List of Sources in Roman Script

Al-Quran Al-Kareem

AL-QURTUBI, ABU ABDULLAH MUHAMMAD BIN AHMED. *Al-Jami‘ li Ahkam al-Quran*. Cairo: Dar al-Kutub al-Misriyah, 2nd ed., 1384H/1964.

NAKHBAT MIN AL-LUGHWAYIN BIMAJMA‘ AL-LUGHAH AL-‘ARABIYYAH BIL-QAHIRA. *Al-Mu‘jam al-Wasit*. Cairo: Majma‘ al-Lugha al-‘Arabiyah, 2nd ed., 1392H/1972.

AL-ZUHAYLI, DKT. WAHBA BIN MUSTAFA. *Al-Fiqh al-Islami wa Adillatuh*. Damascus: Dar al-Fikr, 1433H/2001.

ABU HILAL HASAN BIN ABDULLAH. *Al-Furuq al-Lughawiyah*. Cairo: Dar al-‘Ilm wa al-Thaqafah, 1431H/2009.

MUFTI MUHAMMAD SHAFI‘ OTHMANI. *Tafsir Ma‘arif al-Quran*. Karachi: Idarat al-Ma‘arif, 2nd ed., 1425H/2004.

ISMAIL BIN IBAD. *Al-Muhit fi al-Lughah*. Beirut: ‘Alam al-Kutub, 1st ed., 1414H/1994.

AHMAD BIN HANBAL. *Musnad al-Imam Ahmad bin Hanbal*. Cairo: Dar al-Hadith, 1st ed., 1461H/1995.

AL-JASSAS, AHMAD BIN ALI ABU BAKR AL-RAZI. *Ahkam al-Quran*. Beirut: Dar Ihya’ al-Turath al-Arabi, 1405H/1984.

ABU ‘ISA MUHAMMAD BIN ‘ISA. *Sunan al-Tirmidhi*. Egypt: Maktabah wa Matba‘at Mustafa al-Babi al-Halabi, 2nd ed., 1395H/1975.

AL-BAKHARI, ABU ABDULLAH MUHAMMAD BIN ISMAIL. *Sahih al-Bukhari*, Kitab Fard al-Khums, Bab Ahallat Lakum al-Ghana’im.

MUSLIM, ABU AL-HUSAIN BIN AL-HUJJAG. *Sahih Muslim*, Kitab al-Jihad wa al-Siyar, Bab Tahil al-Ghana’im Lihadhihi al-Ummah Khasa.

AL-DARIMI, ABU MUHAMMAD ABDULLAH BIN ABDUR-RAHMAN. *Musnad al-Imam al-Darimi*. 1st ed., 1436H/2015. Kitab al-Siyar, Bab Fi Sahman al-Khayl, Hadith no. 2493.

AL-MARGHINANI, BURHAN AL-DIN ALI BIN ABI BAKR. *Al-Hidayah*. Beirut: Dar Ihya’ al-Turath al-Arabi, 1431H/2009.

AL-SHIBANI, ABU ABDULLAH MUHAMMAD BIN AL-HASAN. *Al-Siyar*. Beirut: Dar al-Dar al-Muttahidah, 1st ed., 1395H/1975.

MALIK BIN ANAS. *Muwatta' al-Imam Malik*. Beirut: Mu'assasat al-Risalah, 1st ed., 1412H/1991. Kitab al-Jihad, Bab al-Qasam lil-Khayl, Hadith no. 945.

AL-DARQUTNI, ABU AL-HASAN ALI BIN OMAR. *Sunan al-Darqutni*. Beirut: Mu'assasat al-Risalah, 1st ed., 1424H/2004. Kitab al-Siyar, Hadith no. 4184.

AL-TABRIZI, MUHAMMAD BIN ABDULLAH. *Mishkat al-Masabih*. Beirut: Al-Maktab al-Islami, 3rd ed., 1405H. Hadith no. 5836.

AL-URMI, MUHAMMAD AL-AMIN BIN ABDULLAH. *Al-Kawkab al-Wahhaj wa al-Rawd al-Bahhaj fi Sharh Sahih Muslim bin al-Hujjaj*. Makkah: Dar al-Minhaj, 1st ed., 1430H/2009.

AL-'AINI, BADR AL-DIN HAMOOD BIN AHMED. *Al-Binayah Sharh al-Hidayah*. Beirut: Dar al-Kutub al-'Ilmiyyah, 1st ed., 1420H/2000.

AL-BAYHAQI, ABU BAKR AHMED BIN AL-HUSAIN. *Ma'rifat al-Sunan wa al-Athar*. Karachi: Jamia Dirasat al-Islamiyyah, 1st ed., 1412H/1991.

IBN BATAL, ABU AL-HASAN ALI BIN KHALAF. *Sharh Sahih al-Bukhari li Ibn Batal*. Riyadh: Maktabat al-Rushd, 2nd ed., 1423H/2003.

AL-FAKAHANI, TAJ AL-DIN ABU HAFS 'UMAR BIN ALI. *Riyad al-Afham fi Sharh 'Umdat al-Ahkam*. Syria: Dar al-Nawadir, 1st ed., 1431H/2010.

AL-JAWZJANI, ABU 'UTHMAN SA'ID BIN MANSUR. *Sunan Sa'id bin Mansur*. India: Dar al-Salafiyah, 1st ed., 1403H/1982.

AL-NISHAAPURI, ABU BAKR MUHAMMAD BIN IBRAHIM. *Al-Awsat fi al-Sunan wa al-Ijma' wa al-Ikhtilaf*. Riyadh: Dar Taybah, 1st ed., 1405H/1985.

AL-SUN'ANI, MUHAMMAD BIN ISMAIL BIN SALAH. *Al-Tahbir li Idhah Ma'ani al-Taysir*. Riyadh: Maktabat al-Rushd, 1st ed., 1433H/2012.

AL-URMI, AL-MARGHINANI, AL-JASSAS, AL-ZUHAYLI, AL-'AINI, AND OTHERS. *[Additional repeating sources consolidated]*.